عہدِ مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

پروفیسر محمد عمر، شعبۂ تاریخ، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ قسط [illegible]

نظم و نسق میں بدعنوانیاں!

شہنشاہ "میدانوں یا غیر محفوظ سڑکوں کا بادشاہ تھا" بلا مضبوط ایک محافظ دستے کے " بہت سے مقامات پر لوگ سلامتی سے سفر نہیں کر سکتے تھے" انھیں بادشاہ کے عہدہ داروں کو راہداری کا محصول ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ یہ رقم وہ لوگ اپنے راجاؤں کو ادا کیا کرتے تھے۔ یہاں باغیوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی کہ بادشاہ کی رعایا کی تعداد تھی۔ جیسے سورت جیسے شہر کو راجا بھیل کی فوج نے برباد کر دیا تھا جس نے لوگوں کو مروا دیا اور گاؤں جلوا دیے۔ اسی طرح چور ڈکیت ظاہری دشمنوں کی طرح اپنے گروہوں کے ساتھ دن یا رات کو" آگرہ، دہلی، لاہور، احمد آباد اور برہانپور جیسے شہروں کے قریب تک پہونچ جاتے تھے۔ بالعموم "بے حرکت اور خاموش رہنے کے لئے" وہ لوگ صوبداروں کو رشوت دیا کرتے تھے کیونکہ" مردانہ عزت پر" طمع کا غلبہ تھا۔ ان حاکموں کو محض" اپنے محلوں کو خوبصورت عورتوں سے آراستہ کرنے کی فکر لاحق رہتی تھی" اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے" تمام دنیا کی تفریح گاہیں ان کے محلوں میں تھیں"

لوگوں کی حفاظت کرنے کے بجائے صوبہ دار" لوگوں کو بالکل قلاش کر دیتے تھے" حالانکہ زمین کی پیداوار غیر معمولی اور بافراط تھی" لیکن کاشتکاروں کے ساتھ "بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ جور و تعدی کی جاتی تھی۔ جو دیہاتی باشندے زمین کا پورا لگان ادا نہیں کر سکتے تھے" ان پر" بغاوت کرنے کا الزام لگا کر" انہیں لوٹ لیا جاتا تھا، ان کی بیبیوں اور بچوں کو فروخت کر دیا جاتا تھا۔ اس ظلم سے بچنے کے لئے دیہاتی باغی راجاؤں کے ساتھ شریک ہو جاتے

تھے جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ "کھیت خالی اور بلا بوئے پڑے رہتے تھے۔

سرکاری ملازمین کی ترقیاں!

اس سپاہی کو" جو میدان جنگ میں کارنمایاں کرتا یا صداقت کے ساتھ احکام کی تعمیل کرتا" بڑی جلدی جلدی ترقی دی جاتی تھی اور اس کا ادنیٰ منصب اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوتا تھا اسی طرح "معمولی ایک غلطی یا معمولی قصور کیوجہ سے" اسے فلاکت اور سوئی کا سامنا کرنا پڑتا تھا پلیسرٹ نے لکھا ہے کہ "دولت، مرتبہ، محبت، دوستی، اعتماد ہر چیز کچے ایک دھاگے سے بندھی ہوئی تھی۔

شاہی فرمان اور دوسرے احکامات!

شہنشاہ کے فرمان" حیرت انگیز رفتار سے پہونچائے جاتے تھے: ۲۴ گھنٹوں میں وہ فرمان ۸۰ کوس کی دوری تک پہنچ جاتے تھے۔ ایک دوسرے سے ۴۔۵ کوس دوری پر واقع گاؤں تک احکامات پہونچانے کے لئے ہرکارے مقرر تھے۔ وہ لوگ دن رات اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے تیار رہتے تھے۔ فرمان کے ملتے ہی وہ دوڑکر اسے دوسری چوکی تک پہنچا دیتے اور دوسرے ہرکارے کے حوالے کردیتے۔ پیغام پہونچانے کے لئے بادشاہ" ہرجگہ" کبوتر رکھتا تھا۔ ان کے ذریعہ اہم اور نہایت ضروری خبریں بھیجی جاتی تھیں۔

تحفے تحائف پیش کرنے کا دستور! اس برائی کو" عالم گیروبا" کی صورت میں منتقل کردیا گیا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ اس کے گورنر بلا تحفہ لئے کسی درخواست کی سماعت نہ کرتے تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ اس ملک کا یہ دستور تھا۔

گائے کی ہتھیا کرنے والے کو موت کی سزادی جاتی تھی!

گائے اور بیل کو ذبح نہیں کیا جاتا تھا۔ بادشاہ نے اس کے ذبح کرنے پر سخت پابندی عائد کردی تھی اور ذبح کرنے والے کو موت کی سزادی جاتی تھی۔ ہندو راجاؤں اور بنیوں کو خوش کرنے کے لئے بادشاہ نے یہ قانون نافذ کیا تھا۔ جو گائے کو" سب سے زیادہ متبرک چیزوں یا حقیقی دیوتاؤں میں شمار کرتے تھے۔" بعض دنوں یا مخصوص زمانے میں" مچھلیوں کے پکڑنے پر بھی پابندی لگادی گئی تھی"

بھیڑ، بکری اور بھینس کسی قسم کا گوشت بعض دنوں میں بازار میں نہیں مل سکتا تھا۔ غربار

کے لئے یہ بہت تکلیف دہ حکم تھا۔ دولتمند لوگ روزانہ اپنے گھروں میں جانور ذبح کر لیتے تھے۔ بڑی آزادی سے بھینسیں ذبح کی جاسکتی تھیں۔ ان کا گوشت مقدار میں بافراط اور سستا ملتا تھا۔ بھیڑوں، بکریوں، پرندوں، ہنسوں، مرغابیوں، ہرنوں اور دوسرے شکاری جانوروں کی کمی نہ تھی۔ زیادہ تعداد میں ملنے کیوجہ سے ان کے گوشت کی قیمت کم ہوتی تھی۔

جاگیریں اور مناصب!

شہنشاہ کے مقبوضات کی سالانہ آمدنی کا اندراج خواجہ ابوالحسن کے رجسٹر میں ہوتا تھا جو دیوان کے عہدہ پر فائز تھا۔ شہزادوں، امیروں اور منصبداروں کو ان مناصب (صدی یا ہزاری یا دس ہزاری گھوڑوں کے مناصب) کے مطابق، انھیں مناسب آمدنی حاصل کرنے کے لئے بعض مخصوص علاقوں کی حکومت تفویض کی جاتی تھی۔ بعض جاگیردار اپنے "قائم مقام" کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے لوگوں کو ملازم رکھتے تھے۔ جبکہ دوسرے اپنی جاگیریں سے کروڑی کو مجموعی مقرر لگان پر دیدیتے تھے جسے اچھی یا بُری فصل کا خطرہ برداشت کرنا پڑتا تھا زمین "اسقدر غیر زرخیز ہو چکی تھی" کہ ایک جاگیر جس سے پچاس ہزار روپے سالانہ آمدنی کی توقع کی جاتی تھی اس سے بعض مرتبہ صرف پچیس ہزار روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ لہذا بہت سے منصبدار جو پنج ہزاری منصبدار تھے، وہ صرف ایک ہزار گھوڑے رکھتے تھے۔

مملکت میں مروّجہ تول، پیمائش اور سکّے؛

وزن کرنے اور ناپنے کے دو طریقے ہندوستان میں مروج تھے۔ (الف) اکبری اور (ب) جہانگیری۔ جہانگیر نے اپنے والد کے زمانے کے اوزان، پیمانوں اور سکّوں کے معیاروں پر ۲۰ فیصدی کا اضافہ کر دیا تھا۔ اکبری سیر کا وزن ۳۰ پیسے کے برابر یا ½ ۱ پونڈ کے برابر ہوتا تھا جبکہ جہانگیری سیر ۳۶ پیسے یا ⅘ ۱ پونڈ کے برابر ہوتا تھا۔ اکبری من ۵۰ پونڈ اور جہانگیری ۶۰ پونڈ کے برابر تھا۔ اسی طرح گز میں بھی فرق تھا۔ اکبری سو گز انگلینڈ کے ۱۲۰ ہاتھ کے برابر تھا اسی تناسب سے دوسری چیزوں میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ کوئی چیز ہاتھ کے ماپ سے فروخت نہ ہوتی تھی بلکہ ہم ان کا فروخت کرتے ہیں لیکن ہر چیز

کا ڈالر کے حساب سے ہوتا ہے"

ملک میں یہ سکے رائج تھے (۱) روپیہ، یہ دو قسم کے ہوتے تھے خزانہ یا اکبری روپیہ (۲) چالان یا جہانگیری۔ حالانکہ وزن میں دونوں مساوی تھے لیکن صراف لوگ خزانہ کے مقابلے میں چالان کی قیمت ایک سے دو فیصد زیادہ لگاتے تھے۔ (۲) سوائی۔ یہ روپے کے ۱/۴ کے برابر تھا۔ (۳) جہانگیری، اس کا وزن خزانہ کے مقابلے میں ۲۰ فیصد زیادہ تھا۔ (۴) سونے کے سکے مہر کے نام سے موسوم تھے۔ سونے سکے کا وزن ایک تولہ یا ۱۲ ماشہ تھا اور یہ ۱۴ روپے کے برابر تھا۔ اس کا اوپری نقش ویسا ہی تھا جیسا کہ روپیہ میں سوائے ان کے جو ملکۂ اعظم کے سکوں پر کندہ تھا۔ ملکۂ اعظم کے سکوں پر منطقۃ البروج کے ۱۲ برجوں کی علامتیں کندہ تھیں۔ ایک برج ایک سکے پر۔ پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ "بہر حال یہ دیکھتے ہوئے کہ ان سکوں میں سے بیشتر شاہی خزانے کے ہونے چاہیئے اور مزید برآں بڑے لوگ ان کو ذخیرہ اندوز کر لیتے تھے اور اپنے اپنے خزانے میں جمع کرنے کے لئے ان کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس بنا پر ان سونے کے سکوں سے بہت کم تجارت کی جاتی تھی"۔

مروجہ تانبے کے سکوں کو "پیسہ" کہا جاتا تھا۔ پچاس پیسوں کا ایک روپیہ ہوتا تھا۔ اس سے کم رقم کے لئے غریب لوگ کوڑیوں کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اُسّی (۸۰) کوڑیاں ایک روپیہ کے برابر ہوتی تھیں۔

خرید و فروخت کا سارا کاروبار جہانگیری اور اکبری سکوں سے ہوتا تھا۔

گجرات کے مروجہ اوزان اور پیمانے ہندوستان کے مروجہ اوزان اور پیمانوں سے کم ہوتے تھے۔ گجرات کا گز ۱۸ پیسے یا ۳/۴ ہالینڈ کے پونڈ کے برابر ہوتا تھا۔ ۲۴ پیسوں کا وزن ایک پونڈ کے وزن کے برابر ہوتا تھا۔

اس زمانے سے پہلے روپیہ نہیں بلکہ محمودی سکے مروج تھے لیکن جس زمانے میں پلسیرٹ اپنا تذکرہ مرتب کر رہا تھا، روپے کا بھی چلن ہو گیا تھا۔ سورت، احمد آباد اور دوسرے شہروں میں ٹکسالیں تھیں۔

(۵) امراء

دولتمندی کا مظاہرہ: حالانکہ اس کی کوئی "ٹھوس اساس نہیں تھی" تاہم ان کی ایک کو کی مخصوص ایک خصوصیت تھی۔ ہاتھیوں، گھوڑوں اور ملازمین کے مظاہرہ میں وہ "بے دریغ" رقم خرچ کرتے تھے۔ جب وہ لوگ باہر جاتے تھے تو "رعایا کے مقابلے میں بادشاہوں کی طرح سوار ہو کر چلتے تھے۔ جو ملازمین ان کے ہم رکاب ہوتے تھے وہ یہ آواز لگاتے چلتے تھے: "پرے ہٹ پرے" یعنی دور ہو جاؤ۔ راستہ صاف کر دو"۔ جو لوگ راستے سے نہ ہٹتے تو یہ ملازمین ان کی پٹائی کرتے تھے جن کی وہ پٹائی کرتے تھے، ان کے لئے ان کے دل میں کوئی رحم نہ آتا تھا۔

محلات: ان کے مکانوں میں "عمدہ اور خوشگوار" بہت سے کمرے ہوتے تھے۔ شاذ و نادر ہی وہ مکانات "دو منزلہ" ہوتے تھے، بالعموم چھتیں ہموار ہوتی تھیں۔ شام کے وقت وہ لوگ ان پر سیر کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کی دیواریں مٹی کی بنی ہوتی تھیں اس لئے " وہ محلات صرف چند سالوں تک قائم رہتے تھے۔ ان پر چونے کا پلاسٹر ہوتا تھا اور خود ساختہ ایک چیز سے ان کی لپائی کرتے تھے۔ دودھ، کھانڈ اور گوند میں سوکھے چونے کو ملا دیا جاتا تھا۔ اُسے پتلا کر لیتے تھے دیواروں پر چونے کا پلاسٹر کرنے کے بعد اچھی بنی ہوئی کرنیوں سے اتنی لپائی کرتے تھے کہ وہ چکنا ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد "غالباً سارے دن" اس پر عقیق کی لپائی کی جاتی تھی یہ لیپ سوکھ جاتا سخت ہو جاتا اور رایلی باسٹر کی طرح چمکنے لگتا۔ یا اسے بطور آئینہ کام میں لایا جا سکتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے محلات کے بیشتر حصوں میں مستورات رہا کرتی تھیں کیونکہ صرف دیوان خانہ باہر کے کام کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔" خوبصورت" قالینوں سے ان کمروں کو سجایا جاتا اور" بہت صاف وستھرا" رکھا جاتا تھا۔

باغات: ان کے محلوں کے احاطے کے اندر باغات لگوائے اور تالاب کھدوائے جاتے تھے موسم گرما میں ان تالابوں میں روزانہ تازہ پانی بھرا جاتا تھا۔ اس پانی کو "بیل کنوؤں سے نکال کر"

بھرتے تھے۔ ... کے ذریعہ یہ پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ سیسے کی ایک نالی سے یہ پانی بہتا تھا اور ... فوارہ کی طرح اسی سے پانی اوپر اٹھتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی وہ لوگ باغات لگواتے تھے جو ان کی حیات میں "تفریح گاہیں" اور ان کے مرنے کے بعد مقبروں کا کام دیتے تھے۔ اپنی زندگی میں " بڑی شان و شوکت سے " بالعموم ان باغات میں وہ اپنے مقبرے تعمیر کرواتے تھے۔

دن کا پروگرام: صبح کے وقت ایک امیر اپنے دیوان خانے میں آتا اور اپنا سرکاری کام کاج کرتا تھا۔ اس کے تمام ملازمین اسے سلام کرنے یہاں حاضر ہوتے تھے۔ اپنے جسم کو آگے کی طرف جھکا کر اور اپنے دائیں ہاتھ کو ماتھے پر رکھ کر سلام کرتے تھے۔ ہم مرتبہ لوگ صرف جھک کر سلام کرتے تھے۔ سلام کرنے کے بعد اپنے مرتبے کے مطابق وہ اپنے آقا کے دونوں طرف ایک قطار میں بیٹھ جاتے تھے۔ اگر کوئی غیر متعلقہ شخص ان سے ملنے کی غرض سے آتا تو پہلے اس کے نام کا اعلان کیا جاتا اور بعد میں اس کا تعارف کرایا جاتا۔ پلسیرٹ نے لکھا ہے کہ یہ "بدکردار کافروں کے جم گھٹے کے مقابلے میں، عقلمندوں اور نیک کردار فلسفیوں کا ایک مکتب ہے! اور چاہے انھیں وہاں سارے دن بیٹھنا پڑتا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوتا!"

جب وہ لوگ اس مجلس میں بیٹھتے تھے تو ان کے انداز گفتگو میں سنجیدگی کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ نہ ہی وہ زور و شور کرتے، نہ چلاتے اور نہ ہی وہ کسی قسم کا اشارہ کرتے اگر انھیں صیغۂ راز کی کوئی بات کہنی ہوتی جسے دوسرے سن نہ سکیں تو وہ اپنے منہ پر رومال یا کمر کا پٹکا رکھ لیتے تاکہ نہ تو بولنے والا اور نہ ہی سننے والا آدمی ایک دوسرے کی سانس سے متاثر ہوتا جوں ہی ان کا کام یا کاروبار ختم ہو جاتا تو ہر شخص اٹھ کر وہاں سے چلا جاتا۔ دوست اور احباب وہاں اس وقت تک ٹھہرے رہتے جب تک وہ امیر اندر نہ چلا جاتا۔

لکڑی کا سامان اور برتن! امیروں کے یہاں میزیں، اسٹول، بنچیں، نعمت خانے اور پلنگ وغیرہ نہیں ہوتے تھے لیکن ان کے دوسرے لکڑی کے سامان مثلاً سونے کی چارپائیاں ہوتی

(باقی صفحہ ۴۳ پر)